اشارات

رمضان کا مہینہ، نزولِ قرآن کا مہینہ، مسلسل صیام و قیام کا مہینہ، تیز ہوا سے زیادہ جود و سخاوت کا مہینہ، ختم ہونے والا ہے، اور یہ مہینہ ختم ہوتے ہی عید کا دن سایہ فگن ہوگا۔ یہ دن جشن منانے کا اور خوشیوں کے شادیانے بجانے کا دن ہے۔ یہ زینت و تجمل، اچھے لباس اور مہکتی خوشبوؤں، کھانے پینے اور وصل کے لطف اٹھانے کا دن ہے، جیسا فرمایا گیا کہ **ایامُ اکلٍ وشربٍ و بعالٍ** (او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم)۔ ساتھ ہی، بلکہ یہ سب خوشیاں منانا بھی اسی لیے ہے کہ یہ دن ہدایت الٰہی کی نعمت کی خوشی میں اللہ کی کبریائی اور حمد کا غلغلہ بلند کرنے اور شکر کی نذر پیش کرنے کا دن ہے۔ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (اور جس ہدایت سے اللہ نے تمھیں سرفراز کیا ہے، اس پر اللہ کی کبریائی کا اظہار و اعتراف کرو اور شکر گزار بنو۔)

قوموں کی ذلت و عزت اور عروج و زوال کا انحصار ان کی سوچ اور کردار پر ہوتا ہے۔ اور قوموں کی سوچ اور نفسیات کی تشکیل اور کردار و حیاتِ ملی کی تعمیر و بقا میں، خوشیاں منانے کے یہ قومی دن، یا تہوار، بڑا اہم حصہ ادا کرتے ہیں۔ بلکہ مطلوبہ اجتماعیت کی تشکیل کے لیے یہ ناگزیر ہیں۔ اسی لیے دنیا کی کوئی قوم و ملت اور مذہب و مسلک ایسا نہیں جس کی اجتماعی زندگی جشن منانے کے ایسے دنوں سے خالی ہو۔ اسی حقیقت کو، بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ کی روایت کے مطابق، نبی اکرمؐ نے عید الاضحیٰ کے بعد ایام منیٰ میں یوں بیان فرمایا کہ **یا اَبابَکرٍ اِنَّ لِکُلِّ قومٍ عیداً وھٰذا عیدُنا** (اے ابوبکرؓ ہر قوم کی عید ہوتی ہے، اور یہ ہماری عید ہے۔ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب نبیؐ مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ نے دو دن مقرر کر رکھے تھے جو وہ کھیل و تفریح میں گزارتے تھے۔ حضورؐ کے پوچھنے پر جب انھوں نے یہ بتایا کہ یہ دن ایامِ جاہلیت سے ہی چلے آرہے ہیں، تو آپؐ نے فرمایا کہ اللہ نے تمھیں ان دو دنوں کی جگہ ان سے

کہیں بہتر دو دن عطا فرمائے ہیں، یعنی یوم الاضحیٰ اور یوم الفطر (ابو داؤد)۔

اس لحاظ سے ملتِ اسلامیہ کی دونوں عیدیں، ایک قوم ہونے کی حیثیت سے، ہماری ملی ضروریات پوری کرنے میں دیگر اقوام کے تہواروں سے بہت مماثل بھی ہیں، اور ہمارے مسلم ہونے کی حیثیت میں، کئی پہلوؤں سے یکسر مختلف بھی۔ ہماری حیاتِ ملی کی تشکیلِ نو اور معاشرہ میں دعوت و اصلاح کے عظیم الشان کام کے لیے عید کی حقیقت اور بعض حکمتوں کو سمجھنا اور ان کو ملحوظ رکھنا بہت ضروری ہے۔

جشن منانے کے یہ دن تاریخ اور فطرت کے ان واقعات اور فیضانات کے دن ہوتے ہیں جنھوں نے ایک قوم کو اس کا وجود بخشا ہوتا ہے، جو اس کا مقصدِ قومی متعین کرتے ہیں، اسے اس کا تشخص عطا کرتے ہیں، اس کی حیاتِ اجتماعی کی تشکیل کرتے ہیں، اور جن کو قوم اپنے حق میں سب سے عظیم انعامات تصور کرتی ہے۔ جس طرح ہر فرد کی روح ہوتی ہے جس پر اس کی جسمانی زندگی کا انحصار ہوتا ہے، اسی طرح جسدِ قوم کی بھی روح ہوتی ہے۔ جس طرح ہر فرد کا حافظہ ہوتا ہے جس پر اس کے وجود معنوی کی زندگی اور سعی و عمل کا انحصار ہوتا ہے، اسی طرح ہر قوم کا بھی ایک حافظہ ہوتا ہے۔ مدعا و مقصد جسدِ قومی کے لیے روح کی حیثیت رکھتا ہے، اور تاریخ و فطرت کے واقعات سے اس کا حافظہ تشکیل پاتا ہے۔ حافظہ جتنا قوی ہوگا، اس میں تاریخی اور مادی انعامات کا شعور و احساس جتنا راسخ ہوگا، اتنا ہی جسدِ قومی میں مقصد کی روح کا وجود مضبوط اور راسخ ہوگا۔ قومی تہواروں کی اصل اہمیت اسی لیے ہے کہ وہ قوم کے حافظہ کو بیدار رکھتے ہیں، اس کو قوی بناتے ہیں، اس میں اہم انعامات کی یاد راسخ کرتے ہیں، اور ان انعامات کی علامات کو ان سارے شعائرِ قومی میں سب سے اعلیٰ اور ممتاز مقام عطا کرتے ہیں، جن کے محور پر قوم کا وجود، اس کی حیات، اس کا تشخص اور اس کی نفسیات، سب استوار ہوتی ہیں۔

مثلاً یہودی فرعون کی غلامی سے نجات کا، عیسائی حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کا، اور ہندو راون کے خلاف رام کی فتح کا جشن مناتے ہیں۔ یا بہت سی قومیں موسمِ بہار کی آمد کا، فصل کی کٹائی کا، بہار اور خزاں میں دن رات برابر ہو جانے کا، موسم سرما میں رات چھوٹی اور دن بڑا ہونے کا، یا سال کے نئے دن کا جشن مناتی ہیں۔

ملتِ اسلامیہ کے جشن کے مواقع ان سب مواقع سے بالکل مختلف اور منفرد ہیں، کیوں کہ اس کو وجود اور تشخص بخشنے والی چیز ان سب سے مختلف ہے۔ ہمیں وجود، تشخص اور زندگی

بخشنے والی چیز قرآن ہے' اس لیے ہمارا جشنِ عید نزولِ قرآن کی سالگرہ کا جشن ہے۔

ہمارا جشنِ عید کسی شخصیت کے ساتھ وابستہ نہیں' حالانکہ اگر کوئی شخصیت اس کی مستحق ہے کہ ساری انسانیت اس کی پیدائش کا جشن منائے تو وہ رحمت للعالمینؐ کی شخصیت ہے۔ ہم تو اس کتابِ ہدایت کے نزول کا جشن مناتے ہیں جو اس شخصیت کے قلبِ مبارک نے ماہِ رمضان میں ہمارے ربِّ کریم سے لے کر ہم تک پہنچانا شروع کی۔ یہ قدرت کا مزید عطیہ ہے کہ یومِ بدر اور یومِ فتح مکہ بھی اسی ماہ میں جمع ہو گئے جس ماہ میں نزولِ قرآن کی لیلہ مبارکہ واقع ہے' اور نزولِ قرآن کے جشن نے ان دونوں اہم واقعات پر خوشیوں کو بھی اپنے اندر سمیٹ لیا۔ ہم موسمِ بہار کی آمد آمد کا جشن نہیں مناتے' بلکہ حیاتِ انسانی میں صلاح و خیر کی اس بہار کی آمد کا جشن مناتے ہیں جو قرآن لے کر آیا۔ ہم سال کی پہلی فصل کٹنے پر شکر کی نذر نہیں پیش کرتے بلکہ' تاریخ انسانی میں بر و نیکی کی وہ سب سے لہلہاتی فصل بوئے جانے کا جشن مناتے ہیں جس سے انسان نے صدیوں اپنی جھولی بھری۔ ہم موسمِ سرما کی طویل اور تاریک رات گزر جانے کی خوشیاں نہیں مناتے' بلکہ انسانیت کی شبِ ظلم و فساد گزر جانے اور عدل و سلامتی کی وہ صبح طلوع ہونے کی خوشیاں مناتے ہیں جس کی نوید قرآن نے سنائی۔

عید کی خوشیاں' رمضان کی برکتوں سے فیضیاب ہونے کی' صیام و قیام کی توفیق پانے کی' مجاہدۂ رمضان مکمل ہو جانے کی خوشیاں ضرور ہیں' مگر عید کے جشن کا فی الحقیقت نزولِ قرآن کا جشن ہونا بالکل صاف اور واضح ہے۔ اس عید کا' نزولِ قرآن کے مہینے اور امانتِ قرآن کا حق ادا کرنے کے لیے مجاہدہ کے اختتام پر واقع ہونا ہی اس امر کا بین ثبوت ہے۔ رمضان اور روزہ کے سلسلہ بیان ہی میں قرآن نے مدتِ صیام کی تکمیل کے بعد ہدایت کی نعمت پر تکبیر اور شکر کا حکم دیا ہے۔ (البقرہ:۱۸۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں عیدوں کے دنوں میں اللّٰہ اکبر اور وللّٰہ الحمد کی تسبیح کا اہتمام کر کے' ان عیدوں کا قرآن کے ساتھ وابستہ ہونا واضح کر دیا ہے۔ عید کی خوشیاں اس ارشادِ الٰہی کی تعمیل بھی ہیں کہ "یہ اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی ہے کہ یہ چیز (قرآن) اس نے بھیجی' پس یہ ہے جس پر تم لوگوں کو خوشی منانی چاہیے' یہ ان سب چیزوں سے بہتر ہے جنھیں لوگ سمیٹ رہے ہیں" (یونس: ۵۸)۔

نہ صرف عید الفطر' بلکہ عید الاضحیٰ کا جشن بھی قرآن ہی سے وابستہ ہو گیا ہے۔ یہ سنت ابراہیمی کی یادگار ضرور ہے' لیکن یہ تکمیل دین' اتمام نعمت ہدایت اور عطائے دینِ اسلام کا جشن بھی ہے۔ امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں کہ یہود حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور الیوم اکملت

لَکُمْ دِیْنَکُمْ... الخ کے بارے میں کہا کہ تم ایک ایسی آیت پڑھتے ہو جو اگر ہمارے پاس ہوتی تو ہم اس کے نزول کو عید بنا لیتے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "مجھے خوب یاد ہے کہ یہ آیت کب اور کہاں اتری' اور جب وہ اتری تو رسول اللہؐ کہاں تھے۔ یہ عرفہ کا دن تھا' اور واللہ ہم اس وقت میدان عرفات میں تھے۔" یہ عرفہ کے بعد ہی کا دن ہے جب سارے عالم میں امت جشنِ عید مناتی ہے۔

عید کا جشن یہ پیغام دیتا ہے کہ قرآن کو صرف مراسمِ عبادت ہی کا مرکز بنانا کافی نہیں' اسے ثقافت' تہذیب' معاشرت اور حیات اجتماعی کا مرکز بنانا بھی حیاتِ ملی کے لیے ضروری ہے۔ جب ملت کے اجتماعی شعور میں قرآن کا مقام اجاگر اور راسخ ہوگا' جب اس نعمت کا احساس قلب و ذہن پر چھائے گا' جب اجتماعی ذہن میں اس کے سب سے بڑی نعمت ہونے پر شکر اور اس نعمت کا حق ادا کرنے کی فکر غالب ہو جائے گی' تب ہی ملت کے جسد میں نئی روح دوڑے گی' اور اس کے احیا و استحکام کا اور اس کی وحدت کا مقصد حاصل ہوگا۔

عید کی قومی خوشیوں کو قرآن پر مرکوز کر دینا اس حقیقت کا واشگاف اظہار بھی ہے کہ انسانوں کو جمع اور تقسیم کرنے' یعنی وحدت انسانی' کے لیے صحیح بنیادیں شخصیت' موسم' فصل' نسل' رنگ' زبان اور زمین جیسی حسی اور مادی نہیں' بلکہ معنوی اور روحانی ہیں' عقیدہ اور ایمان ہیں' جو قلب و ذہن میں بستی ہیں۔ وحدتِ انسان اور آفاقیت کا یہ ایک ایسا بے مثال درس ہے جس کی نظیر کسی ملت و مسلک میں نہیں پائی جاتی۔

جس قرآن عظیم کے بارہ میں کہا گیا ہے کہ "ہم نے اسے پہاڑ پر بھی اتار دیا ہوتا تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دبا جا رہا ہے اور پھٹا پڑتا ہے" اس کے نزول اور اس کے اہتمام کی یاد کو قومی نفسیات اور ثقافت و تہذیب میں راسخ کرنے کے لیے ان دنوں کو جشن کا دن قرار دینے میں بڑی گہری حکمت پوشیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو "ھُدیً لِلنَّاس" قرار دیا ہے۔ یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ دین کے احکام میں اسے اپنے بندوں کے لیے یسر مطلوب ہے نہ کہ عسر۔ نبی کریمؐ نے بھی اعلان فرمایا کہ دین یسر ہے' اور اپنے اصحابؓ کو ہدایت کی کہ "آسانی پیدا کرو' مشکل اور تنگی میں نہ ڈالو' خوشخبری دے کر خوش کرو' متنفر نہ کرو" اور فرمایا کہ "تم آسانی پیدا کرنے والے بنا کر مبعوث کیے گئے ہو' نہ کہ تنگی میں ڈالنے والے۔" نیز یہ بھی کہ "ابراہیمؑ کا دین سب سے سہل اور سادا دین ہے۔"

تیسیرِ دین کا ایک اہم اصول' منجملہ دیگر اصولوں کے یہ بھی ہے کہ عامۃ الناس کے قلوب

اور عملی زندگیوں میں دین کے اصول و مقاصد راسخ کرنے کے لیے' اور انھیں دین کے احکام پر قائم کرنے کے لیے' فطرتِ انسانی کے تقاضوں کو ملحوظ رکھا جائے۔ خوشی اور غم کے موقعوں پر رسوم کا منانا' اور اکل و شرب' زینت و تجمل' اور لعب و تفریح کی طرف میلان اور رغبت رکھنا بھی انسانی فطرت میں داخل ہے۔ چنانچہ یہ تیسیر دین کا تقاضہ ہوا کہ اپنے مقصد سے لگن' اور ہدایتِ الٰہی کو نعمتِ عظمیٰ سمجھنے کے احساس کو ذہن اجتماعی پر مرتسم کرنے کے لیے خوشی اور جشن منانے کا طریقہ بھی اختیار کیا جائے' اور اعلائے کلمتہ اللہ' تکبیر اور شکر کو ان فطری میلانات کی تکمیل کے ساتھ مربوط کر دیا جائے۔ لوگ گھروں سے نکلیں اور بڑے بڑے اجتماعات منعقد کریں تو بغیر جبر کے اپنی خوشی اور رغبت کے ساتھ کریں۔ دینی اعمال اور عوام کی معاشرتی و تمدنی زندگی ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہو جائیں' بلکہ ایک ہی بن جائیں۔

اسی لیے عید کے دن کو کھانے پینے کا دن قرار دیا گیا' زینت والے لباس پہننے اور خوشبوئیں لگانے کی ترغیب دی گئی' کھیل اور تفریح کو ناپسندیدہ لہو و لعب قرار دے کر ان سے منع نہیں کیا گیا۔ بخاری اور مسلم کے مطابق' حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ عید الاضحیٰ کے دنوں میں قیام منیٰ کے دوران' حضرت ابوبکرؓ ان کے پاس تشریف لائے۔(گویا یہ حج الوداع کا واقعہ ہے)۔ اس وقت انصار کی دو لڑکیاں ان کے پاس بیٹھی ہوئی دف بجا رہی تھیں۔ ایک روایت میں ہے کہ انصار نے ایامِ جاہلیت کی جنگِ بعاث کے سلسلہ میں جو اشعار کہے تھے وہ گا رہی تھیں۔ پاس ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم چادر اوڑھے لیٹے ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان دونوں لڑکیوں کو ڈانٹا۔ نبیؐ کریمؐ نے (جو جاگ رہے تھے) اپنے چہرہ سے کپڑا ہٹایا اور فرمایا کہ "اے ابوبکر! ان کو چھوڑ دو' یہ عید کا دن ہے۔" حضرت ابوبکرؓ نے کس چیز کو ناپسند فرمایا؟ لڑکیوں کا دف بجانا' گانا' یا ایامِ جاہلیت کی عصبیت و تفاخر کی جنگ کے اشعار کا گانا' یا رسول اللہؐ کی موجودگی میں یہ سب کچھ ہونا' یا ان کا آپؐ کے آرام میں مخل ہونا' یہ بات تو حدیث سے پوری طرح واضح نہیں ہوتی' لیکن حضورؐ کی اجازت' عید کی مناسبت سے' واضح ہے۔

جمعہ کو بھی عید کا دن قرار دیا گیا ہے (یہودیوں کے ہاں بھی یومِ سبت' یومِ عید شمار ہوتا ہے)۔ جمعہ کے بارے میں ارشادات نبویؐ بھی دین کی اسی حکمت کو واضح کرتے ہیں۔ عیدین کے ایام میں تو روزہ منع ہے' جمعہ کے دن کو بھی روزہ کے لیے مخصوص کرنے کو ناپسند کیا گیا ہے۔ تاکہ شارع نے اس دن جن جن چیزوں کا اہتمام کیا ہے' ان میں ایک زائد چیز کا اضافہ نہ ہو جائے۔ اس لیے بھی کہ جمعہ کے دن مسلمانوں کے بڑے بڑے اجتماعات مطلوب ہیں' یہ اور رغبت و دل

پسندی کے ساتھ منعقد ہوں۔ روزہ کے زہد خشک جمعہ کے عید ہونے کی حیثیت مجروح ہو سکتی ہے۔ اب یہ بھی دیکھیے کہ عید جمعہ کی بشارتیں کن اعمال پر منحصر کی گئی ہیں۔ غسل کرنا' بحدِ استطاعت پاکیزگی کرنا' اپنے کپڑوں میں سے اچھے کپڑے پہننا' یا جمعہ کے لیے ایک زائد جوڑا بھی بنا لینا' خوشبو لگانا' گھر سے نکلنا' امام کے خطبے سے پہلے مسجد پہنچ جانا' لوگوں کی گردنوں کو پھاندتے ہوئے مسجد میں نہ داخل ہونا' کسی مسلمان بھائی کو اس کی جگہ سے نہ ہٹانا' اس کی جگہ خود نہ بیٹھنا' خطبہ خاموشی سے سننا' یہاں تک کہ کسی سے یہ بھی کہے کہ خاموش رہو تو اس کا جمعہ نہیں ---- اور پھر دو رکعت نماز پڑھ لینا۔ ان میں کسی کا کرنا واجب قرار دیا گیا ہے' کسی کے نہ کرنے پر سخت وعید سنائی گئی ہے' اور تعمیلِ ارشادات پر ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے گناہوں کی مغفرت کی بشارت دی گئی ہے۔ (بخاری' مسلم' احمد' ترمذی' ابن ماجہ بحوالہ مشکوٰۃ)

علامہ ابن قیم نے' اعلام الموقعین میں' حضورؐ کی تقریری سنت کے ضمن میں (یعنی جو کام آپؐ کے سامنے ہوئے اور آپؐ نے ان سے منع نہ فرمایا) اس قسم کی کئی چیزیں بیان کی ہیں۔ مثلاً مباح اشعار کا پڑھنا اگرچہ ان میں زمانہ جاہلیت کا ذکر ہو' ایسے اشعار کا پڑھنا بھی جن میں غزل گوئی ہو اور ایسی باتیں ہوں کہ شعر کے باہر ان کا اقرار کیا جائے تو سزا ہو (جیسے کعب بن زہیر کی سعاد کی غزل گوئی اور حضرت حسان کا رنگِ تغزل)' موقعۂ جہاد پر فخریہ اشعار کا پڑھنا' جہاد میں ریشمی لباس پہننا' بہادروں کو امتیازی نشانات لگانا' پیٹ بھر کر کھانا' مسجد میں سونا' وغیرہ وغیرہ۔ اس سلسلے میں وہ دو اہم تشریعی اصول بھی بیان کرتے ہیں۔ اوّل یہ کہ فعل کی اصل اباحت ہے' حرمت اسی وقت ہوگی جب حرمت ثابت ہو۔ دوسرے' غزل گوئی کے سلسلے میں کہتے ہیں کہ اس میں جو فساد کا خطرہ ہے' تو فساد سے کہیں زیادہ وہ فائدہ ہے جو اصل مقصود ہے۔ غزل گوئی کہ یہ طرز لوگوں کے دلوں کو جھکانے والی اور انھیں اپنی جانب متوجہ کرنے والی ہے' اور اس قسم کے مضامین سے بعد کا مضمون مطلوب ذہن نشین اور دل میں جاگزیں ہو جاتا ہے۔

نہ صرف عیدین اور جمعے میں' بلکہ عام معاشرت میں' گھروں میں' بازاروں میں' پبلک مقامات اور تفریحات میں عبادت گاہوں میں' بلکہ تمام ثقافتی اور تہذیبی زندگی میں دین کی اس حکمتِ تیسیر کو ملحوظ رکھنے ہی سے دین زندگی کے کونوں اور گوشوں سے سرک کر مرکز میں آسکے گا' اور روزمرہ کی زندگی میں ایک متحرک روح کی طرح رواں دواں بن سکے گا۔ پبلک مقامات کو صاف ستھرا اور معطر ہونا چاہیے۔ کھانوں' کپڑوں' اور جائز لعب و تفریح کی گنجائش' احکام الٰہی کی حدود میں' دین کے دائرہ کے اندر ہی نکلنا چاہیے' نہ کہ اس سے باہر۔

اگر امت مسلمہ کا جشنِ قرآن صرف کھانے پینے' اچھے کپڑے پہننے' خوشبوؤں میں بسنے' اور کھیل و تفریح تک محدود رہ جاتا تو یہ بھی جاہلیت کی تاریکی میں گم ہو جاتا۔ اس لیے اس جشن میں صلوٰۃ' ذکر' تکبیر' حمد اور شکر کا اہتمام بھی لازم ہوا۔

نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا کہ **"زینوا اعیادکم بالتکبیر"** یعنی اپنی عیدوں کو تکبیر سے سجاؤ (طبرانی) **اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر وللہ الحمد** کی تسبیح اس قرآنی ہدایت کی تعمیل بھی ہے کہ تمھیں جو ہدایت (قرآن کے ذریعے) بخشی گئی ہے اس پر اللہ کی کبریائی بیان کرو' اور اس کے شکرگزار بنو۔ عیدالفطر پر یہ تکبیر پست آواز میں کہنا چاہیے' عید الاضحیٰ پر بلند آواز سے۔ اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا اعلان و اقرار اور اس کی حمد' شعائر میں سے عظیم شعائر ہیں۔ نماز کے ارکان تکبیر کے تابع ہیں' جماعت کی نقل و حرکت تکبیر کی تابع ہے' نمازوں کے اختتام پر بھی صدائے تکبیر بلند ہوتی تھی۔ اذان و اقامت کی ابتدا تکبیر سے ہوتی ہے' جہاد میں عزم کی پختگی' حوصلے کی بلندی' اور سرفروشی کے جذبے کا راز تکبیر میں مضمر ہے۔ اسی طرح صبح سے رات تک ہر نعمت پر' ہر حالت میں' نیند سے اٹھنا ہو' صبح ہو' شام ہو' بیت الخلا ہو' کھانا پینا ہو' کپڑے پہننا ہو --- ہر ایک حالت میں الحمد کی روح بھر دی گئی ہے' ہر ایک کے ساتھ الحمد کا کلمہ جوڑ دیا گیا ہے۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عیدین کے موقعوں پر تکبیر پڑھنے کا رواج کچھ کم اور کچھ متروک سا ہوتا جا رہا ہے۔ شاید اس زمانے میں خدا کا نام لینے سے شرم آتی ہے' یا ڈر لگتا ہے۔ چاند ہوتے ہی گھروں میں' نماز عید کے لیے جاتے ہوئے راستوں میں' مسجدوں اور عیدگاہوں میں' تکبیر کی آواز بہت کم سنائی دیتی ہے۔ حالانکہ تکبیر پست آواز سے کہی جائے تو بھی ہر جگہ ہزاروں لاکھوں شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح آواز ہو' اور باآواز بلند کہی جائے تو گھر' راستے' اور مقاماتِ نماز گونج اٹھیں۔

ضروری ہے کہ اس شعار کو زور شور سے اختیار کیا جائے' اس کی ترغیب دی جائے' اس کی ترویج کی جائے' گھروں میں اس کا رواج ہو' راستوں پر غلغلہ ہو' نماز گاہیں گونجیں۔ اسی طرح عورت' مرد' بچے' سب کی نفسیات پر تکبیر و حمد کے یہ نقوش ثبت ہونے کا کام وسیع پیمانہ پر ہوگا۔ ان میں جرات اور حوصلہ پیدا ہوگا۔ جب وہ جرات سے اللہ کا نام باآواز بلند لینے لگیں گے' اس کا ذکر کرنے لگیں گے' تو اس کے نام کے بھی ہو جائیں گے' اس کے کام بھی۔

جشن عید کا ایک مقصود یہ بھی ہے کہ ذکر اور تکبیر و شکر کے لیے مسلمانوں کے بڑے بڑے اجتماعات منعقد ہوں۔ ہر محلے میں ایک چھوٹی سی جماعت عید کر لینے سے یہ مقصد پورا نہیں ہوتا۔ ان بڑے اجتماعات کے لیے گھروں سے نکلنے کی ترغیب ایک سے ایک دلنواز انداز میں دی گئی ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ عید کی صبح ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ ہر جگہ اپنے فرشتے بھیجتا ہے۔ وہ زمین پر اتر کے' راستوں پر کھڑے ہو جاتے ہیں' اور صدا بلند کرتے ہیں' اے امت محمدؐ! اپنے رب کریم کی طرف نکلو' جو اجرِ جزیل اور عفوِ عظیم سے نوازتا ہے۔ یہ بھی فرمایا' صلی اللہ علیہ وسلم نے' کہ جب وہ نماز پڑھ چکتے ہیں تو منادی پکارتا ہے' سن لو! تمہارے رب نے تمہیں بخش دیا ہے۔ ایک اور روایت میں آتا ہے "ان سے کہا جائے گا کہ گھروں کو واپس جاؤ' میں نے تم کو بخش دیا ہے' تمہاری خطاؤں کو نیکیوں سے بدل دیا ہے۔" پس وہ عیدگاہ سے اس حال میں واپس ہوتے ہیں کہ ان کے گناہ بخشے ہوئے ہوتے ہیں۔ (بیہقی' ابن حبان' طبرانی)

حضورؐ نے عید کے اجتماع میں عورتوں کی حاضری کا بھی خصوصی اہتمام کیا' اور تاکید فرمائی۔ حضرت ام عطیہؓ کہتی ہیں:

> ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم سب عورتیں عیدین کے دن گھروں سے نکلیں' حائضہ بھی اور پردہ والی بھی' تاکہ مسلمانوں کی جماعت میں' اور ان کی دعا میں' شریک ہوں۔ (اگرچہ حائضہ عورتیں مصلے سے الگ رہیں)۔ ایک عورت نے یہ حکم سن کر کہا' یا رسول اللہؐ' ہم میں سے بعض کے پاس چادر نہیں۔ آپؐ نے فرمایا' ساتھ والی اسے اپنی چادر اڑھا دے۔ (بخاری' مسلم)

عورتوں کو اجتماع عید کے لیے جمع کرنے کا حضورؐ نے جس قدر اہتمام کیا' اس کی ایک جھلک ام عطیہؓ کی اس روایت میں ملتی ہے جو ابوداؤد نے نقل کی ہے۔ وہ کہتی ہیں:

> آپؐ نے انصار کی عورتوں کو ایک گھر میں جمع ہونے کا حکم دیا۔ اس کے بعد آپؐ نے ہمارے پاس حضرت عمر بن الخطابؓ کو بھیجا۔ وہ آکر دروازہ پر کھڑے ہوئے اور ہمیں سلام کیا۔ ہم نے ان کے سلام کا جواب دیا۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ میں تم لوگوں کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد بن کر آیا ہوں۔ پھر انہوں نے ہمیں حکم دیا کہ ہم عیدین میں حائضہ عورتوں اور غیر شادی شدہ نوجوان لڑکیوں کو بھی عید گاہ لے جائیں۔ ساتھ ہی' انہوں نے یہ حکم بھی پہنچایا کہ ہم عورتوں پر جمعہ فرض نہیں' اور ہمیں

جنازے کے ساتھ جانے سے بھی منع فرمایا۔

حضورؐ نے اجتماع عید میں عورتوں سے خصوصی خطاب کا اہتمام بھی کیا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ "نماز پڑھنے اور خطبہ دینے کے بعد' رسول اللہؐ عورتوں کے پاس آئے۔ انھیں نصیحت کی' یاد دہانی کی' اور صدقہ دینے کی ہدایت کی۔ میں نے دیکھا کہ عورتوں نے اپنے ہاتھ اپنے کانوں اور گلوں تک بڑھائے' اور زیور اتار اتار کر بلالؓ کو دینا شروع کر دیے۔ (بخاری' مسلم)

ایک طرف عید گاہ میں حاضر کرنے کا اہتمام' دوسری طرف اس بات کی تصریح کہ جمعہ میں' جو فرض ہے (جب کہ عید کی نماز واجب یا سنت موکدہ ہے)' اور جنازے میں' (جو ہر مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے)' عورتوں کا جانا ضروری نہیں۔ بلکہ ان کا گھر میں نماز پڑھنا مسجد میں نماز پڑھنے کے مقابلے میں زیادہ افضل اور پسندیدہ قرار دیا' اور خوشبو لگا کر جانے سے بالکل منع فرما دیا۔ توازن کی راہ ان سب ارشادات کو ملحوظ رکھنے ہی سے ظاہر ہوتی ہے۔ ایک طرف ان کو عید کے اجتماع میں مردوں کی جماعت میں شریک کر کے اسلامی شان و شکوہ میں اضافہ کرنے' شوکت اسلامی کا مشاہدہ کرنے' دشمنانِ اسلام کو مرعوب کرنے' پوری ملت کی خوشی اور اطمینان میں شریک ہونے جیسے اہم دینی مقاصد کا حصول مطلوب ہونا محسوس ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ عورتوں کا عید گاہ میں نماز پڑھنا مقصود نہ تھا' ورنہ آپؐ حائضہ عورتوں کو بھی عید گاہ جانے کا حکم نہ دیتے۔ دوسری طرف عام اجتماعی سرگرمیوں کو ان پر فرض نہ کرنے میں ان کے خصوصی رول کا تحفظ مطلوب ہونا محسوس ہوتا ہے۔

آج یہ علماءِ حق کی ذمہ داری ہے کہ وہ ملت کے دینی مقاصد' ان کے حصول میں عورتوں کی مناسب شرکت کی ضرورت' دینی احکام و حدود اور ان کی حکمت' ---- یہ سب سامنے رکھ کر مناسب اصول و ضوابط مرتب کریں۔ ایک طرف اللہ اور اس کے رسولؐ کی عائد کردہ منہیات و محرمات سے مکمل اجتناب ہو' دوسری طرف ایک زندہ اور متحرک اسلامی معاشرہ وجود میں آئے۔

اجتماع عید میں حضور کے خطاب کے موضوعات کیا ہوتے تھے' یہ بھی جاننا ضروری ہے۔ حضرت ابوسعید الخدریؓ بیان کرتے ہیں کہ

آپؐ لوگوں کے سامنے (نیزہ سے ٹیک لگا کر) کھڑے ہو جاتے اور لوگ اپنی صفوں میں بیٹھے رہتے۔ آپؐ انھیں وعظ و نصیحت کرتے' وصیتیں فرماتے' ضروری احکام صادر کرتے'

کہیں کوئی لشکر بھیجنا ہوتا تو لوگوں کے سامنے اس کا ذکر فرماتے اور اس کی روانگی کا حکم جاری فرماتے' اور کوئی خاص حکم نافذ کرنا ہوتا تو وہ کرتے' اور فرمایا کرتے تھے' صدقہ دو' صدقہ دو۔ (بخاری' مسلم)

قابل غور بات یہ ہے کہ عید کا دن صرف ذکرِ الٰہی اور تکبیر و تحمید ہی کا دن نہ تھا' نہ صرف اکل و شرب' زینت و تجمل اور لعب و تفریح کا۔ مسلمانوں کے بڑے بڑے اجتماعات کی غرض یہ ہوتی تھی کہ ان کو وعظ و تذکیر بھی کی جائے' ان کے امور و معاملات پر بھی گفتگو کی جائے' ان کو ہدایات و احکام بھی دیے جائیں' اور شکوہِ دین کے لیے جہاد کے سلسلے میں مناسب اقدامات بھی اٹھائے جائیں۔

عیدِ آزاداں شکوہِ ملک و دیں عیدِ محکوماں ہجومِ مومنیں

آج مومنین بے یقین کے قلب و نظر محکوم ہیں' فکر و عمل محکوم ہیں' تہذیب و ثقافت محکوم ہے' سیاست و معیشت محکوم ہے' تعلیم و تربیت محکوم ہے' حکمراں محکوم ہیں' عوام محکوم ہیں۔ اسی لیے ان کے ہجوم تو بہت جمع ہو جاتے ہیں' شکوہِ دین میں کچھ اضافہ نہیں ہوتا۔

مومنین کو بایقین و با عمل بنانے کے لیے' ان کے دلوں اور ذہنوں میں مقاصد و احکام دین کے نقوش مرتسم کرنے کے لیے' شکوہِ دین کے حصول کے لیے' عید کا یہ سبق سب سے اہم ہے کہ اس مقصد کے لیے جتنی ضروری دلیل ہے' وعظ ہے' تذکیر ہے' اتنے ہی یا اس سے کچھ زیادہ ہی ضروری علامات ہیں' رسوم ہیں۔ شعائر دینی علامات و رسوم کا کام سرانجام دیتے ہیں' اور ان شعائر میں عید ایک شعار عظیم ہے۔ علامات و رسوم ہی سے دین دل میں اترتا ہے' اس کے ساتھ جذبات وابستہ ہو جاتے ہیں' محبت گہری ہوتی ہے' عمل بڑھتا ہے' اور اجتماعیت مضبوط اور قوی ہوتی ہے۔